اسلامی صنائع لطیفہ اور یورپی صنائع پر ان کا اثر

از
اے　ایچ　کرسٹی
مترجمہ
(جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت، لکچرر کالج آف آرٹس اینڈ سائنس گلبرگہ)

(۴)

وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں چودھویں اور پندرھویں صدی کے مصر کے بنے ہوئے دو کواڑ محفوظ ہیں۔ ان کواڑوں کے دتے اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کے لئے لکڑی کی جگہ ہاتھی دانت استعمال کرنا ممکن ہوگیا ہے اور اس کی وجہ سے اس میں حیرت انگیز خوبی پیدا ہوگئی ہے۔ ایک کواڑ کے دتے کندہ کاری میں پھول پتوں جیسے بنائے گئے ہیں اور دوسرے کواڑ میں یہ دتے ہندسی شکلوں میں کندہ کر کے بنائے گئے ہیں۔ یہ دونوں کواڑ ویسے ہی چوبی عنبر کی باقیات ہیں جیسا ایک منبر وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس منبر کو مملوک سلطان قائت بے (۱۴۶۸ — ۹۷ء) نے قاہرہ کی ایک مسجد میں نصب کردیا تھا جو انیسویں صدی میں ایک نئے راستے کی تعمیر کے سلسلہ میں توڑ دی گئی تھی۔

مسلمانوں نے مکمل طور پر یا جزوی طور پر ہاتھی دانت کی بہت سی خوبصورت چیزیں بنائی ہیں۔ ہاتھی دانت کو انھوں نے کندہ کاری، منبت کاری یا مرقع کاری سے مزین کیا ہے۔ دسویں صدی میں، ہاتھی دانت میں کندہ کاری کا ایک دبستان جس کا مرکز قرطبہ تھا، ایک ایسی طرز کا کام پیش کر رہا تھا جو بڑی پختہ کاری کا مدعی ہے۔ اس دبستان کے کام کے جو نمونے باقی رہ گئے ہیں ان میں ایک استوانہ نما ڈبیہ ہے جسے زمورا (Zamora) کے کلیسا سے لے کر میڈرڈ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں نمائش کے لئے رکھا گیا ہے۔ اس ڈبیہ کے قبہ نما ڈھکن کے

اطراف ایک تحریر میں بتایا گیا ہے کہ یہ ۹۶۴ء میں خلیفہ الحاکم ثانی کے لئے بنایا گیا اور اس کی ملکہ اور شہزادہ عبدالرحمٰن کی والدہ کو تحفۃً دیا گیا۔ اس عہد میں قرطبہ میں اسی طرح کی جو چیزیں تیار ہوئی تھیں، ان کے نفیس ترین نمونے وہ ہیں جو سرتاپا گل کاری، طاؤسوں اور دوسرے پرندوں اور حیوانات کی شکلوں سے پٹے ہوئے ہیں۔ دوسرے نمونے جو اس وقت لندن، پیرس اور دوسرے مقامات پر ہیں، اگرچہ وضع و قطع اور کاری گری کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں لیکن ان کی تزئین دوسرے ڈھنگ سے کی گئی ہے، ان میں ایک دوسرے سے مس کرتے ہوئے دائرے کندہ کئے گئے ہیں اور ان دائروں کے اندر حیوانی شکلیں بنائی گئی ہیں۔ ایسا ہی ایک اور دُرجک ہے جو اس وقت پام پلونا کے کلیسا میں رکھا ہوا ہے۔ اس مستطیل دُرجک پر دائروں کے اندر حیوانی شکلیں کندہ کی گئی ہیں۔ یہ دُرجک کئی صناعوں کی کاری گری کا اعجاز ہے۔ ان میں سے خیر اور عبید دو صناعوں کے نام ان دونوں پر پڑھے جا سکتے ہیں جو انھوں نے بنائے ہیں۔ یہ دُرجک ۱۰۰۵ء میں کسی درباری امیر کے لئے بنایا گیا تھا جس کا نام اور القاب نمایاں طور پر اس کے ڈھکن پر کندہ دکھائی دیتے ہیں۔

ہاتھی دانت کے کام کی ایک طرز وہ ہے جس کا ایک نمونہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ ایک گول ڈبیا ہے اس کے چپٹے ڈھکن اور جسم پر جالی دار ہندسی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ ڈبیا اس کام کی نمائندگی کرتی ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ چودہویں صدی کے قریب قاہرہ میں فروغ پا رہا تھا۔ تیرہویں صدی کے ہاتھی دانت کے کام کی ایک اور طرز کو مبہم طور پر (Sicolo Arabic) کا نام دیا گیا ہے یہ ہاتھی دانت کے بے نقش استوانہ نما اور مستطیل ڈبے ہیں اور ان پر رنگین اور طلاء کار تصویریں اتاری گئی ہیں۔ ان کے اوپر گانٹھ دار حھالر بنی ہوئی ہے۔ تصویروں میں انسانی صورتیں، چرندوں اور پرندوں کی شکلیں اور پھولوں اور پیڑوں کے نقش و نگار دکھائی دیتے ہیں ان تصویروں کی طرز وہی ہے جو با تصویر قلمی کتابوں کی تصویروں کی طرز ہے۔ اس طرح کے کام کے ایک نمونے پر ایک شکاری سوار کی تصویر بنی ہوئی ہے اور ایک چیتا سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔

مرصع، جالی دار اور کندہ کاری سے مزین ہاتھی دانت کے درجک ہیرے جواہرات رکھنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ان پر جو تحریریں ملتی ہیں ان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ اکثر تحفے کے طور پر دینے کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ اس کے قدیم ترین نمونے اسلامی آرٹ کے آغاز کی بیش قیمت یادگار ہیں۔ ان میں سے بہت سے نمونے حیرت انگیز طور پر مکمل حالت میں ہم تک پہنچے ہیں۔ لیکن بعض نمونوں پر رنگ کے جو نشان اب بھی دکھائی دیتے ہیں، ان سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ کندہ کار درجک اپنی اصل حالت میں رنگین اور طلائی کام سے مزین کئے گئے تھے۔ بعض درجکوں کے دھاتی قلابے اور زمادے اب بھی باقی ہیں اور یہ خود بھی دھاتی صناعی کی ایک نئی شاخ کے دلچسپ نمونے ہیں۔

کندہ کاری میں مسلمانوں کی مہارت کا آخری شاندار نمونہ ایک نہایت درجہ خوبصورت بلوریں صراحی ہے جو خزانہ سنٹ مارک وینس میں محفوظ ہے۔ یہ شاندار نمونہ تاریخی حیثیت سے بھی بہت اہم ہے کیوں کہ اس پر مصر کے دوسرے فاطمی خلیفہ العزیز کا نام کندہ ہے۔ یہ ان بلوریں صراحیوں میں سے ایک صراحی ہو گی جن کا ذکر المقریزی نے خزانوں کی اس فہرست میں کیا ہے جو ۱۰۶۲ء میں منتشر ہو گئے۔ ان صراحیوں پر بھی اسی خلیفہ کا نام کندہ تھا۔ صناعی اور ڈزائین کے لحاظ سے یہ صراحی اس دور کی شایانِ شان یادگار ہے جو اسلامی آرٹ کے لحاظ سے ایک عہد آفریں دور مانا جاتا ہے۔

ہمارے روزانہ استعمال کی وہ چیزیں جو اپنے مسالے، تکنیک اور ڈزائین کے لحاظ سے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی مرہونِ منت ہیں، ان میں چھپی ہوئی کتابیں غالباً سب سے زیادہ وسیع پیمانے پر مستعمل ہیں۔ اگرچہ پہلی نظر میں مشرق سے ان کا تعلق بعید نظر آئے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی کتاب سازی نے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی مہارت اور ان کی کاری گری سے بہت کچھ سیکھا ہے یہ تو ماضیٔ قریب ہی کی بات ہے کہ اسلامی ادب مشینی طریقوں سے پیش کیا جانے لگا، جو یا تو ٹائپ میں یا پھر لیتھو میں ہوتا ہے۔ لیتھو کے طریقے کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں تمام صناعوں کے سرتاج یعنی خطاط کا اصل کام محفوظ رہتا ہے۔ اگرچہ اسلامی ملکوں میں اشاعت سے بہت پہلے

یورپ میں طباعت کا فن مکمل ہو چکا تھا، لیکن اس کے اہم ترین نہ سہی، ایک نہایت اہم مسالے کے لئے ہم مشرق ہی کے رہینِ منت ہیں۔ کاغذ ایک قدیم چینی ایجاد ہے۔ اسی سے مسلمان اس وقت واقف ہوئے جب انھوں نے ۷۰۴ء میں سمرقند کو فتح کرلیا اور چینی صناعوں سے کاغذ سازی کا فن سیکھ لیا۔ پھر کاغذ کا استعمال مسلمانوں کے ذریعہ یورپ میں عام ہوا۔ کاغذ پر لکھے ہوئے بہت سے عربی مخطوطات نویں صدی کے مکتوبہ ہیں۔ لیکن بارہویں صدی تک نصرانی دنیا میں کاغذ درآمد نہ ہوا تھا اور تیرہویں صدی میں بھی اس کا استعمال بہت محدود تھا۔ یورپ میں کاغذ کے اولین کارخانے مسلمانوں نے اندلس اور صقلیہ میں قائم کئے تھے جہاں سے یہ صنعت اطالیہ میں پھیل گئی۔

پندرھویں صدی میں مشینوں کے ذریعہ جب کتاب سازی تجارت کی چیز بن گئی تو مشین سے تیار کی ہوئی کتابوں کے لئے کاغذ ایک اہم مسالہ بن گیا جس کے بغیر طباعت کو وہ ترقی حاصل نہ ہوتی جو اسے کاغذ کے ذریعہ حاصل ہوگئی۔ یہ صرف کاغذ ہی نہیں جس کے لئے عہدِ حاضر کے ناشر مسلمانوں کے رہینِ منت ہیں۔ چودھویں صدی کے دوران میں جب وینس، آرٹ میں مسلمانوں کے مختلف فیشنوں کو نہایت سرگرمی کے ساتھ جذب کرکے باہر ان کی اشاعت کر رہا تھا، اطالیہ میں بنی ہوئی کتابوں کی جلدوں نے بالکلیہ مشرقی ڈھنگ اختیار کرلیا۔ اس عہد میں بعض جلدوں نے وہ خصوصیت بھی اختیار کرلی جو مسلمانوں کی بنائی ہوئی جلدوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ وہ "زبان" یا "لسان" ہے جو کتاب کے اگلے حصے کے کونوں کو محفوظ رکھنے کے لئے لگائی جاتی ہے۔ یہ خصوصیت اب بھی کھاتوں کی بعض کتابوں میں باقی چلی آرہی ہے جیسی کہ ہمارے بنکروں کے "پاس بک" (Pass book) ہیں اور زبانِ حال سے اپنے مشرقی الاصل ہونے کی داستان سناتے ہیں۔

ایک اور ایجاد جس نے مسلمانوں کے کام کا اثر قبول کیا، وہ چرمی جلدوں کی ایک نئے ڈھنگ سے تزئین ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپی جلد سازوں نے اکثر چرمی جلدوں کو دھاتی ٹھپوں کی چھاپ لگا کر مزین کیا ہے۔ جیسے جیسے یہ نقوش بڑے اور ڈزائین کے لحاظ سے پیچیدہ ہوتے گئے، اس طریقہ نے اور بھی پُراثر انداز اختیار کرنا شروع کیا۔ جلد کی سطح پر نہایت خوش

صدی کے ساتھ بنائے ہوئے ٹکڑے آپس میں مل کر نہایت دل کش نقشہ بناتے تھے اور ان کے ساتھ عام طور پر حاشیے استعمال کئے جانے لگے۔ ٹھپے کے ذریعہ جو نقوش بنائے جاتے تھے وہ ابھرواں کام ہی میں ہوتے تھے، یہاں تک کہ مشرقی صناعوں نے دبے ہوتے حصوں میں سنہرا روغن استعمال کرنا شروع کیا۔ اس طریقے سے وینس میں بسے ہوئے مسلمان جلد سازوں نے یورپ کو روشناس کرایا۔ پندرھویں صدی میں اس طریقے کی جگہ ایک اور طریقے نے لے لی۔ اس میں سونے کے ورق استعمال کرتے ہوئے گرم کئے ہوئے اوزار کی دوبارہ چھاپ لگا کر دبے ہوئے حصوں میں سونا مڑھ دیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیا طریقہ سب سے پہلے قرطبہ میں ایجاد ہوا تھا۔ سولھویں صدی میں مسلمان اور نصرانی جلد ساز دونوں کثرت سے اس طریقے سے کام لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی قدیم مشرقی طلاء کاری کا طریقہ بھی پوری طرح ترک نہیں ہوا تھا۔

مشرقی طریقے کی طلاء کاری کے ذریعہ جو دل کش نقش ونگار بنائے جاتے تھے اس کی ایک بہترین مثال چمڑے کی ایک جلد ہے جو وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ چرمی جلد چودھویں صدی کے آخر یا پندرھویں صدی کے ابتدائی زمانے کی بنی ہوئی ہے اور قاہرہ میں تیار کی گئی ہے۔ یہ جلد چند معمولی ٹھپّوں کے ذریعہ نہایت صبر کے ساتھ بے شمار نقش بنا کر ایک واضح اور نازک ڈزائین بنانے کا اعجاز ہے۔ وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں ایرانی کی بنی ہوئی سولھویں صدی کی ایک چرمی جلد محفوظ ہے مشرقی جلد سازوں نے تزئین کے جو دوسرے طریقے اختیار کئے تھے یہ جلد ان پر خوبی روشنی ڈالتی ہے۔ یہ طریقے سترھویں صدی سے بھی پہلے کے ہیں اور نمونہ بھی سترھویں صدی سے پہلے کا ہے۔ گلابی رنگ کی اس چرمی جلد کے وسط میں ٹھپے کے ذریعہ ایک نقش بنایا گیا ہے اور اس پر طلاء کاری کی گئی ہے۔ اس کے اوپر نیچے اور اس کے ہر گوشے میں، دوسرے خوبصورت نقش ہیں جو جلد کی سطح سے نیچے کھود کر بنائے گئے ہیں اور انھیں مہین سفید چمڑے کی جھالر سے مزین کر کے سیاہ زمین میں چسپاں کر دیا گیا ہے۔ جلد پر رسمی قسم کا میدان بنا کر اس میں پیڑوں اور چرندوں اور پرندوں کی شکلیں اُتاری گئی ہیں۔ ان حیوانوں میں مشرق بعید کا اژدہا بھی موجود ہے یہ سب

تصویریں سادی زمین دے کر سونے سے بنائی گئی ہیں۔ وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں وینس کی بنی ہوئی ایک جلد محفوظ ہے جس پر ۱۵۴۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اس جلد پر بھی دبے ہوتے نقش بنائے گئے ہیں اور اس پر تصویریں بنائی گئی ہیں۔ صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایرانی کام کی نقل ہے اوپر ایک مصری چرمی جلد کا ذکر آچکا ہے۔ اس چرمی جلد پر ایک مرکزی بیضوی حلقہ بنا ہوا ہے اور اسی بیضوی حلقے کا ایک چوتھائی حصہ ہر گوشے پر بنایا گیا ہے۔ مذکورہ ایرانی جلد پر بھی تزئین کاری کی یہی اسکیم ملتی ہے اور جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں۔ بہت سی صنعتوں میں اس طرح کا نقشہ مشترک ہے۔ ایسا ہی ڈزائین جس میں مرکزی اور گوشوں کے نقوش ہیں، وینس کی بنی ہوئی ایک جلد پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ جلد وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں محفوظ ہے اور اس پر ۱۵۴۶ء کی تاریخ درج ہے۔ اس پر جو طلائی کام کیا گیا ہے وہ اسلامی کام کے اثر کی صاف غمازی کر رہا ہے۔ اسی عجائب گھر میں بعد کے زمانے کی جرمنی کی بنی ہوئی ایک جلد محفوظ ہے اس پر بھی اسی قسم کی تزئین کاری نظر آتی ہے، البتہ اس عہد کے یورپی مذاق کے مطابق اس کی تفصیلات میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی ہے

یہ چاروں جلدیں پوری طرح سے اس فنی عمل کے ارتقاء کی نشان دہی کرتی ہیں جس نے اسلامی ملکوں میں جنم لیا اور یورپی کارخانوں میں راہ پا گیا۔ یہ فنی عمل تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ ڈزائین کی اسکیمیں اور تزئینی عناصر لیتا آیا اور اس نے عصر حاضر کے فن جلد سازی میں مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم جمائے۔ نفیس چرمی جلدوں پر سیدھی اور آڑی لکیریں اور حروف جس طرح پوری دنیا میں بنائے جاتے ہیں، ان کے بنانے کے ذرائع کو مسلمان صناعوں ہی نے مکمل کیا تھا اور جب انیسویں صدی میں مشینوں کے ذریعہ بنی ہوئی جلدیں قدیم دستکاری کی جگہ لینے لگیں تو مشینوں کی بنی ہوئی جلدوں کے بنانے کے طریقوں میں بھی بڑی حد تک اسلامی ملکوں سے حاصل کئے ہوئے طریقوں سے کام لیا گیا۔

اٹھارویں صدی کے دوران میں یورپی کارخانوں میں کتابوں کی جو جلدیں بنی ہیں، ان کے سرورق، خاتمے کے اوراق، اور اوراق کے کناروں پر جو "مرمریں" نقوش عام طور پر نظر آتے ہیں، وہ سب کے سب راست مشرقی ماخذوں سے لئے گئے ہیں۔ ایسے نقوش کے دل کش نمونے

کاغذ کی ایسی پٹیوں پر پائے جاتے ہیں جو مسلمان مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں اور خطاطی کے نمونوں کے اطراف حاشیوں کے طور پر سولھویں صدی میں توادرات کا ذوق رکھنے والوں کے لئے لگائے گئے ہیں۔ ان کا اعلیٰ ذوق اس امر کا متقاضی تھا کہ ان کے نوادرات کا جو حاشیہ بنایا جائے وہ نہایت درجہ خوبصورت اور دل کش ہو۔ بیکن کے عہد میں انگلستان "مرمریں کاغذ" (Marbled paper) سے واقف تھا۔ بیکن نے لکھا ہے: "ترکوں کو کاغذ کے مرمریں بنانے کا فن خوب آتا ہے جو ہمارے یہاں مروج نہیں۔ یہ لوگ مختلف روغنی رنگ لیتے ہیں اور ان کو قطرہ قطرہ کر کے پانی میں ڈالتے ہیں۔ پھر پانی کو آہستہ آہستہ ہلاتے ہیں اور اپنے کاغذ کو جو کافی دبیز ہوتا ہے اس میں ڈبوتے ہیں۔ اس طرح سے کاغذ پر مرمر یا رخام کی طرح دھاریاں اور لہریں پیدا ہو جاتی ہیں"۔

سولھویں صدی کے آخر میں جو جلدیں مغرب میں بنی ہیں ان کے ابتدائی اور آخری اوراق مشرق سے لائے گئے تھے۔ اس کے ایک سو سال بعد جا کر کہیں یورپی جلد سازوں نے خود ہی یہ کاغذ تیار کرنے شروع کئے ہیں، ہاتھ کے بنے ہوئے مرمریں کاغذ اب شاذ و نادر ہی استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس کی کم دبیش بھونڈی اور بھدی نقلیں اب بھی مختلف اغراض کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے تک اسلامی آرٹ کو یورپ ایک حیرت انگیز چیز کی حیثیت سے دیکھتا آیا ہے۔ اول اول اس لئے کہ اسلامی آرٹ کا بہت قریبی تعلق ان ملکوں سے تھا جو نصرانیت کی میراث سمجھے جاتے تھے۔ لیکن بعد میں تحیر اس لئے رہا کہ خود اس آرٹ میں غیر معمولی حسن و خوبی اور دلربائی تھی۔ اس آرٹ کی بہت سی بیش قیمت پیداوار محض قرون وسطیٰ کی دین داری کی وجہ سے سلامت رہ گئیں۔ ان میں سے بہت سی چیزیں صدیوں تک کلیساؤں میں محفوظ رہیں۔ ایک دُرجک جو کبھی کسی خلیفہ کے جواہرات کا کام دیتا تھا، کلیساء میں مقدس باقیات کے رکھنے کا ڈبہ بن گیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ باقیات کسی مسلمان امیر کی خلعت سے کاٹ کر حاصل کئے ہوئے نفیس ریشم میں لپیٹ کر اور اس دُرجک میں رکھ کر ارض مقدس سے

لائی گئی ہوں۔ جس حیرت کی نظر سے یہ چیزیں دیکھی جاتی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بنی عربی عجیب شکلوں اور پُر اسرار تحریروں کو معنی پہنائے جانے لگے۔ کبھی تو انھیں طلسمات سمجھا جاتا تھا اور اس رسم خط کو حضرت سلیمانؑ سے منسوب کیا جاتا تھا اور کبھی انھیں کے عہد کا مانا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرونِ وسطیٰ میں آثارِ قدیمہ کا فن داستان طرازی کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ تو پچھلی صدی کی بات ہے کہ تحقیق کی ٹھنڈی روشنی میں ان روایات پر شک وشبہ کے اظہار کی جسارت ہونے لگی جو بعض نوادرات کے ساتھ وابستہ تھیں۔ کسی کے ساتھ یہ شاندار روایت وابستہ تھی کہ اسے ہارون الرشید نے بطور تحفہ شارلیمین کو بھیجا تھا، اور کسی کے ساتھ یہ روایت منسوب تھی کہ اسے سینٹ لوئی نے مشرق میں حاصل کیا تھا۔ اب چاہے ایسی باتوں سے جھوٹے افتخار کے ساتھ ان چیزوں کی نمود ونمائش ہوتی ہو یا نہ ہو، ان کا شکوہ اصلی وحقیقی چیز تھی۔ یہ وہ شاہکار تھے جنھیں ہر صنّاع عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتا تھا کہ یہ چیزیں ہمیشہ ان لوگوں کے لئے فیضان کا منبع بنی رہیں جنھوں نے مغرب میں نظر انداز کردہ صنعتوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔

نصرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان ربط وضبط صلیبی لڑائیوں سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا۔ اندلس میں اسلام نے یورپ کی مغربی سرحدوں پر اپنے قدم مضبوطی سے جمالئے تھے اور یہاں سے وہ نصرانی ثقافت پر اپنے گہرے اثرات مرتب کر رہا تھا۔ صقلیہ میں دونوں ادیان کی برابر برابر کی حکومت تھی اور شمالی آفریقہ پر تمام تر اسلام ہی کا پرچم لہرا رہا تھا اور ادھر مسلمانوں کے جہاز بحیرۂ روم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر کاٹ رہے تھے۔

صلیبی لڑائیوں کے ساتھ ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ نیم افسانوی شان وشکوہ جو روایتاً مسلمانوں سے منسوب کیا جاتا تھا، متحیر نصرانی دنیا کے آگے حقیقت بن کر آیا۔ یورپ کے ہر حصے سے اکٹھے ہونے والے انبوہ کا یک بیک ایک ایسے سماجی نظام سے قریبی تعلق قائم ہو گیا جو اس گروہ میں شامل لوگوں کے محدود تجربات کی حدوں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جو عصری ترقیاں رونما ہو رہی تھیں ان پر اس نئے ربط کے اثرات بہت جلد واضح ہو گئے۔ اور فنونِ

لطیفہ میں تو یہ اثرات بہت ہی دوررس ثابت ہوتے، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اطالوی جزوں نے راست شامی بندرگاہوں سے آمد ورفت کا سلسلہ قائم کرلیا۔ مشرق سے تجارت باضابطہ اور باقاعدہ بن گئی اور اسلامی ملکوں کے کارخانوں کی بنی ہوئی ہر قسم کی نادر چیزیں یورپی منڈیوں میں درآمد ہونے لگیں۔ ان درآمدات نے نئی ضرورتوں کو پورا کیا، اور یہ جہاں کہیں بھی گئیں ان کی نقل کی جانے لگی۔ ان کی وجہ سے یا تو فوراً ہی یا مستقبل میں پایۂ تکمیل کو پہنچنے والے طریقوں کے ذریعہ ترقیوں کی شاہراہیں کھل گئیں۔

اس نازک دور میں جب کہ مغرب قرونِ وسطیٰ کے حالات سے باہر نکل رہا تھا، دینی جوش کی اکسائی اور ابالی ہوئی قوتوں نے عمل کا ایک اور روپ دھارا اور تمام تر تجارتی سرگرمیوں کو اپنا مرکز بنا لیا۔ پندرہویں صدی میں یورپی صناع نشاۃ ثانیہ کے جزو لازم نظر فریب اور پرشکوہ صنائع لطیفہ کی کامیابی سے مجبور ہو کر مشرق کی طرف ایک نئی دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ مسلمان صناعوں کے طریقوں کے گہرے مطالعے سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے فنی عمل کا دوبارہ جائزہ لیا اور اس میں وسعت پیدا کی اور ان عناصر کو اپنے فنی عمل میں ان تزئینی عوامل کے ساتھ جذب کرلیا جو اس راستے سے اس میں داخل ہو گئے تھے۔ یورپی صناعوں نے مسلمان صناعوں کے ڈزائین کے قاعدوں کا جائزہ لیا، اور ایک نئے جذبے کے ساتھ ایسی صنعتوں میں انھیں استعمال کرنا شروع کیا جو اصل کے لحاظ سے خالص یورپی تھیں۔ معمولی قسم کے صناعوں ہی نے نہیں بلکہ لیونارڈو دا ونشی جیسی نامور ہستیوں نے مشرقی نقوش پر تجربے کئے ہیں۔ لیونارڈو دا ونشی کی ایک یادداشت میں ایسا ہی ایک تزئینی نقشہ ملتا ہے جو اس طرح کے مطالعات سے اس کی دل چسپی کی شہادت دے رہا ہے۔

یہ ایجادیں ہمیشہ راست مشاہدے کا نتیجہ نہ ہوتی تھیں کیونکہ سولھویں صدی ہی میں مصادر کے پھیلانے کا ایک نیا طریقہ عالمِ وجود میں آچکا تھا۔ یہ چھاپے کی مشینوں کی فوری پیداوار "نقشوں کی کتاب" تھی۔ نمونوں کے ایسے مجموعوں کے ذریعہ ایک نئی طرز میں ماہر نمونہ کاروں کی تحقیقات تک ایسے لوگوں کی رسائی ہوئی جن کی اصلی ماخذوں تک پہنچ مشکل تھی۔ ایسی ہی انتہائی دلچسپ

نقشوں کی کتابوں میں ایک نادر کتاب فرانسسکو دی پلی گری نو[1] کی مرتب کردہ ایک جلد ہے اس کتاب میں جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ سب کی سب اسلامی نمونوں سے لی گئی ہیں۔ اس کتاب سے اور اس کی ہم عصر اسی قسم کی نقشوں کی کتابوں سے (مثلاً پیٹر فلوٹنر، ورجل سولس، مارٹن پیٹرس وغیرہ کی مرتب کی ہوئی کتابیں) ہالبین (Holl Bein.) کے ڈزائینوں کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ ہالبین نے چاندی کا کام کرنے والوں اور دوسرے صناعوں کے لئے جو نقشے تیار کئے ہیں، ان میں اسلامی اثر ایک بدیع طرز میں ڈھل گیا ہے۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ولندیزی اور انگریزی تاجرانہ سرگرمیاں شرق الہند میں واسکوڈی گاما کی مہمات کے نتائج سے فیض یاب ہونے لگیں۔ پھر تو راست مشرق سے تجارت کا ایک روز افزوں دھارا ہی بہنے لگا اور اس تجارت نے روزمرہ زندگی سے متعلق صنعتوں کو گہرے طور پر متاثر کرنا شروع کیا جنہوں نے عصرِ حاضر کی صنعتی ترقیوں کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ ایشیا کے اسلامی ملکوں سے بظاہر غیر اہم بہت سی چیزیں درآمد ہوتی تھیں جو ضروریات زندگی میں داخل ہوگئی تھیں۔ ان چیزوں کو یورپ میں نہ صرف پسند کیا جانے لگا بلکہ یہی چیزیں پوری متمدن دنیا میں پھیل گئیں۔ باربردار جہازوں کے ذریعہ درآمد ہونے والے سوتی کپڑوں اور دل کش رنگارنگی نقوش چھپے ہوئے چھینٹوں نے پارچہ بافی کی صنعت کو ایک نئی جان بخشی۔ پیرس میں ترقی کر کے اسی صنعت نے "Peni ames" کا لقب پایا۔ اسی صنعت نے ملکہ ریُن کے عہد میں خواتین کے ملبوسات کے لئے خوبصورت پارچہ مہیا کیا اور اسی صنعت نے بعد میں مانچسٹر کے لئے کثیر دولت فراہم کی۔ نئی نئی مثالیں، جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے، ایران سے آتی تھیں۔ بعض خاص قسم کے چائے دان اور قہوہ دان جو غالباً مغل صراحیوں کی نقل

---

[1] فلارنٹائین کا ایک مصور اور مجسمہ ساز جس نے فرانسس اول کے لئے جو فرانس میں فرانسسکو پلے گراں کے نام سے مشہور ہے، نادینتن بلو کی تزئین میں حصہ لیا تھا۔ اس کی کتاب پر ۱۵۳۰ء کا سن درج ہے۔ اس کتاب کا ایک عکسی اڈیشن اپنے مقدمے کے ساتھ گستان میگنان نے ۱۹۰۸ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔

ہوتے تھے ، نو دولت تاجر (نواب) ہندوستان سے لے کر آتے تھے اور عام طور پر ملکہ وکٹوریہ کے عہد تک ناشتے کے دسترخوان کی زینت بنے رہتے تھے اور تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ یہ چائے دان اور قہوہ دان آج بھی مستعمل ہیں۔

اسلام کی ابتدا ہی سے مغربی زہد و تقویٰ ، علم و فضل ، صنعت و تجارت اور ندرت پسندی ہر ایک کو مسلمانوں کی قدرت و مہارت سے اس کے مذاق کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور ملا ہے لیکن مغرب کے استادانِ فن نے اپنی فنی مہارت اور حسن کاری کے لئے بار بار ایک ایسے خزانے سے فیض اٹھا کر یورپی صنائع لطیفہ میں جان ڈال دی جو اہل مغرب کے لئے ایک حادثہ سے زیادہ دائمی وظیفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان استادانِ فن میں اڈی رکیس رومی بھی ہے جس نے ۱۲۶۸ء میں ویسٹ منسٹر ایبے کے آخری مشرقی حصہ (Presbytery) کے مبنت کار مرمریں فرش پر اسلامی نقشے بنائے ، اور ولیم مورس بھی جس نے ایسا ہی نقشہ ۱۸۸۰ء میں اپنے مخملیں قالین پر کاڑھا ہے۔ ان استادوں کے درمیان اور ان کے بعد کتنے ہی استاد ملیں گے جو اس خزانے سے لگاتار فیض یاب ہوتے آئے ہیں۔

تاریخِ ملت کا گیارھواں حصہ

سلاطینِ ہند

جلد دوم

اس جلد میں سلاطینِ کشمیر ، شاہانِ گجرات ، سلاطینِ بہمنیہ ، عماد شاہی ، قطب شاہی عادل شاہی وغیرہ مملکتوں کے ساتھ شاہانِ مغلیہ ، ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے زمانے تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں ، تاریخ ملت کا یہ سلسلہ جامعیت اور اختصار کے ساتھ استناد و اعتبار کے لحاظ سے بہترین سمجھا گیا ہے ، کتاب کی یہ جلد ابھی پریس سے آئی ہے۔

قیمت غیر مجلد تین روپے آٹھ آنے   مجلد تین روپے بارہ آنے۔